مطالبۂ نفاذِ شریعت

(الامام حسن البنّاء مرحوم)

[یہ مضمون دراصل ایک طویل مکتوب کا ترجمہ ہے جو استاذ حسن البناء شہید رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے تقریباً سترہ سال قبل مصر کے وزیر قانون کے نام تحریر کیا تھا۔ جو لوگ سرزمین پاکستان میں اسلامی دستور اور شرعی قانون کا مطالبہ کر رہے یا اس مطالبے سے ہمدردی رکھتے ہیں وہ اس مراسلے کو بالکل آپ بیتی محسوس کریں گے، حتیٰ کہ اس میں دو چار جگہ جہاں "مصر" کا لفظ آیا ہے، اسے اگر "پاکستان" کے لفظ سے بدل دیا جائے تو یہ تصور کرنا بھی محال ہو جاتا ہے کہ یہ داستان پاکستان سے نہیں بلکہ مصر سے متعلق ہے۔ مصر میں جس کشت عمل کو امام شہیدؒ نے اپنے خون سے سینچا تھا وہ بحمد اللہ بار آور ہو رہی ہے۔ حالیہ اطلاع ہے کہ فوجی حکومت انفرادی رہائیوں کے بعد اب اخوان پر سے جماعتی پابندیاں بھی اٹھا لینے پر مجبور ہو چکی ہے۔ اللہ نے چاہا تو پاکستان میں بھی دار و رسن اور قید و بند تحریک اسلامی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکیں گے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔]

ہم اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ ہماری قوم کی نجات اسی میں ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر گوشے میں اسلام کی تعلیمات و ہدایات کا اتباع کرے۔ اس کے حق میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔ آپ کے سامنے ان دلائل کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ الحمد للہ آپ اس نظریے کے خود بھی قائل ہیں۔ اسلامی تعلیمات کا اولین و اہم ترین شعبہ قانون ہے۔ اس وقت ہم اور آپ میدان عمل میں ہیں اور ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ ہم حقائق کا سامنا کریں۔ اس وقت وزارتِ قانون کا قلمدان آپ کے ہاتھ میں ہے اور آپ اس بات کی قدرت رکھتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کی ان تمناؤں اور آرزوؤں کو بار آور کریں جن کے لیے وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے پر آمادہ ہیں۔ مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ مصر کے قانون اور عدالتی نظام کو شریعت اسلام کی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ چونکہ آپ بھی ایک دائرے میں رعیت کے راعی ہیں، اس لیے اس سلسلے

میں آپ خدا و خلق کے سامنے مسئول اور جواب دہ ہیں۔

اس قوم کے افراد جب یہ دیکھتے ہیں کہ اس ملک میں اللہ کے قانون کے خلاف فیصلے کیسے جاتے ہیں تو وہ اپنے دلوں میں سخت تنگی اور انقباض محسوس کرتے ہیں۔ اس طرح کے حالات میں صبر کا پیمانہ لبریز ہو جانے کے بعد چھلک جاتا ہے اور اندر ہی اندر جو مادہ پک رہا ہوتا ہے وہ بسا اوقات پھوٹ نکلتا ہے۔ سب سے زیادہ خطرناک تصادم کی صورت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ ایک قوم کا ذہن حق کے اصول اور باطل کے نظریات کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ ہمارے موجودہ ملکی قوانین اور اسلام کے قوانین ایک دوسرے کی ضد میں اور دونوں جا بجا ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ابنائے قوم کے دل و دماغ میں ایک اضطراب اور بے چینی رونما ہو رہی ہے اور وہ اس تضاد کو بری طرح محسوس کر رہے ہیں۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ آپ مسلمانوں کو قوانین کی بے احترامی اور خلاف ورزی پر مجبور نہ کریں اور حالات کو بدلنے کی کوشش کریں۔ آئیے ہم اللہ کے حضور میں حاضر ہوں اور اس بارے میں اُس کے ارشادات کو سنیں۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں ہے؟ :-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (النساء: ۶۵)

پس نہیں، تیرے رب کی قسم وہ نہیں ایمان لا سکتے جب تک کہ وہ تجھے حکم نہ بنالیں اپنے متنازعہ فیہ معاملات میں، پھر وہ اپنے دلوں میں تنگی بھی نہ محسوس کریں تیرے فیصلے پر اور سر تسلیم خم نہ کر دیں۔

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ۝ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ

اور یہ کہ تم فیصلہ کرو اُن کے مابین اُس کے مطابق جسے اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور ان سے چوکنے رہو مبادا وہ تمہیں بہکا دیں تم پر اللہ کے نازل کردہ بعض احکام سے۔ اگر وہ منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ انہیں ان کے بعض گناہوں پر عذاب دینا چاہتا ہے۔ اور یقیناً لوگوں میں سے بہت سے

يُوْقِنُوْنَ (المائدہ: ۴۹-۵۰)

فاسق ہیں۔ کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؛ اور کون ہے بہتر اللہ سے فیصلے میں یقین رکھنے والوں کیلیے۔

مذکورہ بالا آیات المائدہ کے جس رکوع سے لی گئی ہیں وہ سارا اسی موضوع پر ہے۔ اس کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں ۔ ۔ ۔ وہی ظالم ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہی فاسق ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا۔ (النساء: ۱۰۵)

ہم نے نازل کی ہے تم پر کتاب حق کے ساتھ تاکہ تم فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان اس کے مطابق جو تمہیں اللہ نے دکھایا ہے اور خائنوں کے طرفدار نہ بنو۔

یہ تو ہیں کلی اور عمومی احکام۔ لیکن ان کے علاوہ قرآن میں بہت سے تمدنی، تجارتی، تعزیراتی، بین الملی اور اسی قبیل کے دوسرے احکام ہیں جو جزئیات سے متعلق ہیں اور ان کی مزید تفصیل و تائید احادیث صحیحہ میں ملتی ہے۔ ان تمام احکام کی غرض یہی ہے کہ مسلمان ان پر عمل پیرا ہوں اور اپنے تنازعوں کا فیصلہ ان کے مطابق کریں۔ اب اگر آپ اپنے ملک کے دستور اور قانون پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ ان کا ماخذ اور سرچشمہ کتاب و سنت نہیں بلکہ یورپ کے ممالک (بلجیم، فرانس، اٹلی وغیرہ) کے دساتیر و قوانین ہیں۔ ہمارا دستور و قانون کلیات کے اعتبار سے بھی اور جزئیات کے لحاظ سے بھی اسلام سے صریح طور پر متصادم اور متناقض ہے۔ اب غور کیجیے کہ اگر ایک مسلمان کے سامنے ایسا معاملہ آتا ہے جس کا فیصلہ اسلام کی رو سے کچھ اور ہے، اور موجودہ قانون کی رو سے کچھ اور، تو اس وقت وہ مسلمان کونسا موقف اختیار کرے گا۔ پھر غور کیجیے کہ اس ملک کے مجسٹریٹ، جج، چیف جسٹس اور وزیر عدالت کے لیے احکم الحاکمین کے احکام کی مخالفت کیسے جائز اور حلال ہو گی۔

میں آپ سے پرزور درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس تضاد و تناقض کو دور کریں، ہمیں اس ”آپ بلا سے نجات بخشیں اور اعمال اور عقائد کے اس ٹکراؤ کو ختم کریں۔ یہ چیز میرے علم میں ہے کہ بکثرت مسلمان اپنے جائز جانی و مالی حقوق سے دست بردار ہو جاتے ہیں اور بہت سے نقصانات کو

محض اس لیے گوارا کر لیتے ہیں کہ وہ ایسی عدالت اور ایسے قاضی کے سامنے جانا حرام سمجھتے ہیں جو خلافِ شریعت فیصلے صادر کرے۔ اس صورتِ حال کے نتائج بڑے خوفناک ہیں اور اللہ اپنے محاسبے میں بڑا سخت گیر ہے۔ میرا یہ فرض ہے کہ آپ کو توجہ دلاؤں اور یاد دہانی کروں۔ اللہ کے سامنے عذرات کچھ کام نہیں آئیں گے۔ اللہ کی نظر اعمال پر بھی ہے اور نیتوں پر بھی۔

یہ تو اس معاملے کا باطنی پہلو ہے جس کا تعلق ہمارے ایمان اور عقیدے سے ہے۔ لیکن اگر قانون کے خالص ظاہری نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تب بھی ملکی و غیر ملکی، مسلم و غیر مسلم دونوں قسم کے ماہرینِ قانون نے اعتراف کیا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ قانون سازی کا ایک نہایت شاداب، جامع، اور بیش قیمت ذخیرہ ہے۔ فرانس کے متعدد قانون دانوں نے اپنی قوم کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنے قوانین میں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ترمیم کریں اور کئی بین الاقوامی اجتماعات میں مقننین نے قوانینِ اسلامی کی تعریف کی ہے اور تسلیم کیا ہے کہ شریعت کی تعلیمات قانون سازی کے بارے میں پورے طور پر کفایت کرتی ہیں۔ یورپ کے غیر اسلامی قوانین کو ہم مصر میں پچاس سال سے زائد عرصے تک برت کر دیکھ چکے ہیں۔ ان کا حاصل جرائم کی کثرت اور روز افزوں اضافے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سنگین اور ہولناک وارداتیں چاروں طرف رونما ہو رہی ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ موجودہ قوانین ہمارے امراض کا مداوا نہیں ہیں اور ہمارے ماحول اور قومی مزاج سے انہیں قطعاً کوئی مناسبت نہیں ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے جن ممالک میں چند ایک قوانینِ شرعیہ نافذ ہیں وہاں ملک کے امن و اخلاق پر ان کے اچھے نتائج مترتب ہو رہے ہیں۔ کیا سرزمینِ مصر کو اس کا موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہ بھی قوانینِ اسلامی کی برکات سے مستفید ہو؟

یہ مسئلہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل صاف اور واضح ہے تاہم کچھ لوگ ہیں جو نیک نیتی یا بدنیتی کی بنا پر اس اصلاح کے رستے میں حائل ہیں۔ ان کی طرف سے عموماً چند شبہات پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے پہلا شبہ یہ ہے کہ مصر میں کچھ غیر مسلم اقلیتیں ہیں۔ اگر یہاں اسلامی احکام نافذ کر دیے جائیں تو اس سے اس مذہبی آزادی میں مداخلت واقع ہو گی جس کی دستوری طور پر ضمانت دی جا چکی

اور اگر غیر مسلموں کو ان احکام سے مستثنیٰ قرار دیا جائے تو یہ حقوق شہریت میں ایک ناپسندیدہ امتیاز ہوگا جس سے بحمد اللہ ہم چھٹکارا حاصل کر چکے ہیں۔ اس شبہ کے دونوں اجزا باطل ہیں۔ اگر ملک میں اسلامی احکام نافذ کیے جائیں تو اس سے مذہبی آزادی پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ دستور میں اقلیتوں کو جس چیز کی ضمانت دی جاتی ہے وہ عقیدہ، عبادت، شعائر اور احوال شخصیہ کی آزادی ہے۔ قانون ملکی بہرحال اکثریت کی مرضی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ نظریاتی ... بالخصوص ظاہر ہوتا ہے قطع نظر اس سے کہ قانون کا مصدر کیا ہے۔ جس قانون پر جمہور متفق ہو جائیں، وہی ملک میں رائج ہوتا ہے اور اس بارے میں اقلیت کو اکثریت کی بات ماننے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اقوام یورپ اس بات پر فخر کا اظہار کرتی ہیں کہ وہ حریت اور شخصی حقوق کا بہت احترام کرتی ہیں اور جمہوریت کی علمبردار ہیں۔ لیکن وہ بھی اپنی اقلیتوں کے ادیان و عقائد کا لحاظ کیے بغیر اپنی منشا کے مطابق قوانین وضع کرتی ہیں۔ فرانس، انگلستان، جرمنی وغیرہ میں ایک فرد خواہ کتنا امین ہو، خواہ اس کا تعلق ایسی اقلیت سے ہو جس کا دین اکثریت کے دین سے مختلف ہے، وہ ملک کے قانون کی پابندی کرتا ہے۔ اس کے بغیر جمہور کی آزادی اور داخلی و خارجی استقلال متحقق ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر غیر مسلم اپنے شخصی معاملات میں فیصلے اپنے پرسنل لا کے مطابق کریں اور بقیہ معاملات میں قانون موضوعہ پر عمل کریں تو اس سے کوئی ایسا امتیاز نہیں پیدا ہوتا جو کسی خدشے یا اعتراض کا موجب ہو سکے۔ ہم کسی غیر مسلم کو اس امر پر مجبور نہیں کرتے کہ وہ اپنے پرسنل لا کی پابندی کرے بلکہ ہم اس کا انتظام اس کی اپنی خواہش اور مرضی کی بنا پر کرتے ہیں۔ اس سے مقصود کوئی ناروا پابندی یا حق تلفی نہیں ہے۔ دوسری طرف اگر ہم ملکی قانون کو اقلیت کے مسلک اور نظریے کے مطابق بنائیں تو یہ اکثریت کے حقوق پر ایک شدید ظلم اور زیادتی کے مترادف ہوگا۔ پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ بہت سے مسیحی برادران وطن نے بھی یہ مطالبہ کیا ہے کہ بلا امتیاز تمام معاملات میں احکام شرعیہ کو ان پر بھی نافذ کیا جائے اور اس بارے میں حق بات اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے کہ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا (پس تم مت ڈرو لوگوں سے بلکہ ڈرو مجھ سے اور مت لو میری آیات کے عوض حقیر قیمت)۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلامی قوانین کا اجرا عملاً ناممکن ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ہم سود کا

ابطال کیسے کر سکتے ہیں، جبکہ ہم بین الاقوامی اقتصادی نظام کی جکڑبندیوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ اعتراض بھی بالکل بے اصل ہے کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ بعض قوی العزائم قوموں نے اپنے لیے مخصوص اور منفرد معاشی نظام وضع کیے ہیں اور ساری دنیا کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ ان کا احترام کریں۔ اس معاملے میں فیصلہ کن شئے حکومت کی قوتِ ارادی اور قوم کی عملی استعداد ہے۔ اس بارے میں جو چیز ہماری راہ میں رکاوٹ ہے وہ صرف عزم کی کمزوری اور موہوم خطرات کا بیجا خوف ہے۔ ہماری قوم اللہ کے فضل سے ہر مشکل کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ ہم زندگی کی جملہ ناگزیر ضروریات خود پیدا کر سکتے ہیں اور اس بارے میں ہمیں اغیار کا دست نگر بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہمارے ارادے مضبوط ہو جائیں تو ہم اقوامِ عالم کے علی الرغم اپنے مالی نظام کی تیاری کر سکتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہے کہ اٹلی پر ایک وقت ایسا آیا ہے جبکہ اس پر چاروں طرف سے یادوں اقوام نے یورش کر دی تھی اور ان میں دنیا کی عظیم ترین سلطنتیں بھی شامل تھیں۔ انہوں نے مل کر اٹلی پر تاوان عائد کیے تھے لیکن آخر کار اٹلی کی عزیمت کے سامنے ان سب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور قومی غیرت کے سامنے بندوق اور تلوار کی کچھ پیش نہ گئی۔ اسی طرح آپ کو معلوم ہے کہ ہٹلر نے یہ فرمان صادر کر دیا تھا کہ جرمنی کا سونا اور سکہ جرمنی سے باہر نہیں جائے گا۔ کیا اس سے دوسرے ممالک کے ساتھ جرمنی کا لین دین ختم ہو گیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ دوسری قوموں نے اس فیصلے کا احترام کیا، اور مبادلے کے اصولوں پر جرمنی سے معاملہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ دونوں قومیں طاقتور تھیں اور ہم کمزور ہیں۔ اس طرح کے معاملات میں فوج کشی اور لشکر آرائی تک نوبت شاذونادر ہی پہنچتی ہے۔ یہ خرید و فروخت اور لین دین کے مسائل ہیں۔ کوئی قوم خواہ کتنی ہی ضعیف کیوں نہ ہو وہ اس خصوص میں بالکل آزاد ہے بشرطیکہ وہ یکسو ہو کر اپنے مطمحِ نظر کو واضح کر دے اور پھر ثابت قدمی کے ساتھ اپنے موقف پر جم جائے۔

دوسری قومیں تو صرف یہ چاہتی ہیں کہ ہم ان کے ساتھ شریف آدمیوں کا سا معاملہ کریں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ قرض کا کاروبار کرنے والے بہت سے بنک اور دوسرے ادارے برابر کے لین دین پر رضامند ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ادائیگی یقینی ہو جائے۔ اس لیے ایک طرف اگر ہم سود کو قانوناً ممنوع قرار دے دیں اور دوسری طرف واجبات کی پوری پوری ادائیگی کا شدت سے اہتمام کریں تو دوسری حکومتیں اس پر راضی ہو جائیں گی

اور ادائے حقوق کی ضمانت کے بعد وہ سودی لین دین پر اصرار نہیں کریں گی، خصوصاً جبکہ انہیں بتایا جائے گا کہ سود تمام مذاہب عالم کے نزدیک حرام ہے۔ آخر کیوں نہ مصر کو اس شرف میں سبقت حاصل ہو کہ وہ دنیا کو سود کی لعنت اور خباثت سے نجات دلانے کی جدوجہد کرے اور کیوں نہ مصری حکومت نوع انسانی کے لیے اس نوید رحمت کی پیامبر ثابت ہو۔ ایک زمانہ تھا کہ یورپ کی قومیں بردہ فروشی کو اپنی تہذیب و معاشرت کے لیے بالکل اسی طرح ضروری سمجھتی تھیں جس طرح آج وہ سود کو سمجھتی ہیں۔ انہی میں سے بعض نے اس کاروبار کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا اور آخر کار دوسری قوموں نے بھی اس کی نامعقولیت کو تسلیم کر کے اسے ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔ کل اگر بردہ فروشی کے خلاف علم بلند کیا جا سکتا تھا تو آج کیا سود کے خلاف جہاد نہیں کیا جا سکتا؟ اس بارے میں آخر خوف و یاس ہمیں کیوں لاحق ہو؟ کیا آج ہم انسانیت کی خدمت سے بالکل عاجز ہو چکے ہیں؟ حالانکہ کل تمام دنیا میں علم و عرفان کی روشنی پھیلانے والے ہم ہی تھے۔ یہ محض شاعری یا خیال آرائی نہیں ہے بلکہ یہ حقائق ہیں جنہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اگر ہم سود کو ترک کر دیں تو یہ امر ہماری اقتصادی خودمختاری کا باعث ہوگا اور ہماری قوم جو اغیار کے سہاروں پر جینے کی عادی ہو چکی ہے، اس میں خود اعتمادی، عزت نفس اور دوسروں سے بے نیازی کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس سے زیادہ موزوں اور قیمتی موقع آخر کونسا ہوگا۔ ہماری قوم ایک دینی مزاج رکھتی ہے اور اسے متحرک اور آمادۂ عمل کرنے کے لیے دینی عوامل سب سے زیادہ کارگر ہو سکتے ہیں۔ سود کی تحریم سے ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہوگا کہ ہماری غریب قوم قسی القلب سودخوار لٹیروں اور قزاقوں سے گلوخلاصی حاصل کرے گی۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر قوانین شرعیہ کا نفاذ عمل میں لایا گیا تو چوروں کے ہاتھ کٹنے شروع ہو جائیں گے اور زانیوں کو سنگسار کیا جایا کرے گا، ہماری قوم دورِ وحشت کی طرف لوٹ جائے گی، تہذیب و ترقی کی رفتار یک لخت تھم رک جائے گی اور ہمارا شمار غیر متمدن قوموں میں ہونے لگے گا۔ یہ اعتراض بھی بالکل بے حقیقت ہے اور دراصل یہ ایسے افراد کے ذہن کی پیداوار ہے جو نظم اجتماعی کو درہم برہم کرنے کے درپے ہیں، جو زندگی کے ہر گوشے میں مطلق اباحیت اور بے قیدی کے خواہش مند ہیں، دوسروں کی جان و مال اور عزت و ناموس پر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں اور اس اندیشے نے ان کی نیند حرام کر رکھی ہے کہ کہیں اسلام کی قربان گاہ پر سب سے پہلے

ذہن پہ عینک نہ چڑھا دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ جرائم کی کثرت کو تہذیب و ارتقاء کی علامت قرار دینا صحیح ہے اور نہ اس قانون کو رجعت پسندانہ اور سنگدلانہ سمجھ لینا درست ہے جو جرائم و فواحش کا استیصال کرے۔ ایسا قانون تو تہذیب و ترقی کا عین مظہر ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان فاسد افکار و نظریات کو ختم کیا جائے۔ مصلحینِ اسلام کے لیے یہ موقع شرمانے کا نہیں بلکہ آگے بڑھ کر کام کرنے کا ہے۔ آج کل نظریات ایسے بدلے ہیں کہ قانون کی ہمدردی مجرم کے حق میں زیادہ اور معاشرے کے حق میں کمتر ہو گئی ہے۔ مجرم کے ساتھ سختی کے بجائے نرمی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہولناک جرائم چار سُو پھیل چکے ہیں اور پھیل رہے ہیں، قانون ان کے مقابلے میں بالکل عاجز اور بے بس ہے۔ قومی کمائیوں اور محنتوں کا بیشتر حصہ پولیس، قید خانوں اور عدالتوں میں صرف ہو رہا ہے لیکن کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا۔ اس وقت فلسفۂ جرم سے متعلق خوشنما بحثوں اور لاطائل استدلالات کی اتنی ضرورت نہیں ہے، جتنی ضرورت جرم کے عملی سدِ باب اور روک تھام کی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلامی قوانین کے نافذ کرنے میں ایک عملی مشکل یہ ہے کہ ایسی جامع شخصیتوں کا ملنا محال ہے جو بیک وقت اسلامی علم و عمل سے آراستہ ہوں۔ حاملینِ دین قانون کی تدوین و تنفیذ کے جدید تقاضوں سے بے خبر ہیں اور قانون دان دین کا علم نہیں رکھتے اور جب تک مردانِ کار پیدا نہ ہوں قانونِ اسلامی کو مفید اور مناسب شکل میں کیسے رائج کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ شبہ بھی بے بنیاد ہے اور اس مشکل پر قابو پا لینا بالکل سہل ہے۔ اللہ کے فضل سے ایک طرف ہمارے علمائے دین میں بہت سے حضرات ایسے ہیں، جن کی قانونِ جدید پر بھی وسیع نظر ہے۔ اور دوسری طرف ہمارے ہاں قانون کے بہت سے ماہرین ایسے موجود ہیں جنہیں اسلامی فقہ و تشریع سے پورا پورا شغف ہے اور جنہوں نے اس سلسلہ میں بڑی محنت سے اسلامی اور غیر اسلامی قانون کا تقابلی مطالعہ کیا ہے اور اپنی تحقیق کے نتائج ہمارے سامنے پیش کیے ہیں۔

پھر ایک اعتراض ایسا بھی وارد کیا جاتا ہے جو خالص ذاتی نقطۂ نظر اور مصالحِ شخصی پر مبنی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شرعی قانون پر اصرار کرنے والے در پردہ "عدالت[1] ہائے شرعیہ" پر قابض ہونا چاہتے ہیں [illegible]

[1] معلوم رہے کہ عدالتی نظام دو حصوں میں تقسیم ہے [illegible] عدالتیں [illegible] نظام قانونِ ملکی کی [illegible] کی قسم کے معاملات [illegible] کی مجاز ہیں۔

یہ ہیں کہ عدالت ہائے اہلیہ میں کام کرنے والوں کی کثیر تعداد کو بالکل بیکار و بے روزگار بنا دیں، یہ چاہتے ہیں کہ ایک خاص گروہ سارے عدالتی مناصب سنبھال لے اور دوسروں کو ان سے بالکل محروم کر دے۔ عدالت ہائے اہلیہ کا نظام بہت وسیع، دقیق اور ہمہ گیر ہے، یہ کس طرح ممکن ہے کہ شرعی عدالتوں کے چند جج ایسی عظیم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں؟

یہ اعتراض بھی بالکل لغو اور پوچ ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ایک خاص قسم کا علم کسی خاص طبقے کی نسلی میراث ہے؟ کیا ہر ذہین آدمی کی رسائی ہر علم و فن تک نہیں ہو سکتی؟ ہمیں اس بارے میں کامل اطمینان ہے کہ دونوں قسم کی عدالتوں کے مجسٹریٹ اور جج صاحبان اگر چند ماہ بھی باہمی تدریس و تربیت پر صرف کریں تو وہ قانون کے سارے شعبوں پر حاوی ہو جائیں گے۔ آدمی جس راہ پر بھی پیش قدمی کرنے کا پختہ ارادہ کر لے، وہ راہ اس کے لیے ہموار ہو جاتی ہے۔ ہم کسی بھی فرد یا گروہ کی بے جا طرفداری یا عداوت میں مبتلا نہیں ہیں۔ ہم تو اس تفریق اور دو عملی کو ہی سرے سے مٹا دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ اہلی و شرعی امتیازات یک قلم ختم کر دیے جائیں، اور عدالت کا ایک کلی اور وحدانی نظام قائم کیا جائے، اور اس کے لیے اصل بنا اور ماخذ شریعت الٰہی کو قرار دیا جائے۔

یہ چند شبہات ہیں جو ہم نے آپ کے سامنے نمونۃً رکھے ہیں اور ان کے مختصر جوابات بھی دے دیے ہیں۔ ان سے بآسانی اندازہ ہو جاتا ہے کہ قانون شریعہ کے نفاذ سے متعلق جن شکوک و اعتراضات کا اظہار کیا جاتا ہے وہ کتنے بے اصل اور بے بنیاد ہیں۔ یہی حال ہر اس اعتراض کا ہوتا ہے جس کی پشت پر نفسانی اغراض ہوں اور حق سے اعراض کا جذبہ کار فرما ہو۔

الاخوان المسلمون کا مطالبہ یہ ہے کہ ہماری حکومت شریعت اسلامیہ کی طرف لوٹے اور قانون مصری کے نظام کو فوراً شریعت کی بنیادوں پر استوار کرے۔ ہم ایک مسلم قوم ہیں۔ ہم نے عزم کر لیا ہے کہ ہم صرف اللہ کے قانون اور قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی حکمرانی اور بالادستی تسلیم کریں گے، خواہ ہمیں اس کی بھاری سے بھاری قیمت بھی ادا کرنی پڑے اور بڑی سے بڑی قربانی بھی پیش کرنی پڑے۔ ایک آزاد و خود مختار مسلمان قوم ہونے کی حیثیت سے یہ ہمارا فطری حق ہے، اور سیاسی و اجتماعی شوکت و استقلال کا کوئی دوسرا مظہر اس کا بدل اور قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ آپ بھی اس حق کے حصول میں ہماری مدد کیجیے، اس صورت حال کو بدلنے کی کوشش کیجیے اور قوم کو مجبور نہ کیجیے کہ وہ کسی ایسے راستے پر پڑ جائے جس پر مایوسی اور اضطرار کی حالت میں قومیں پڑ جایا کرتی ہیں۔